پاکستانی ادب کے مباحث اور محمد حسن عسکری

شہلا قربان
پی ایچ ڈی سکالر (اُردو)
ادارہ زبان و ادبیات اردو، جامعہ پنجاب لاہور

ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری
سابق ڈین /پرنسپل پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

DISCUSSIONS ON PAKISTANI LITERATURE AND MUHAMMAD HASAN ASKRI

Shehla Qurban
PhD Scholar (Urdu)
IULL, Punjab University Oriental College, Lahore

Muhammad Fakhar ul Haq Noori, PhD
Former Dean/Principal
Punjab University Oriental College, Lahore

Abstract

Muhammad Hasan Askari initiated discussions on Pakistani Literature in 1949. He presented his theory of "Pakistani Adab". By presenting this theory, Askari intended to form such a common and harmonized national literature which has all the historical, cultural and social features and characteristics of our golden Islamic values. Samad Shaheen, Mumtaz Sheerin, Saleem Ahmad, Sajjad Baqir Rizvi, Muzaffar Ali Sayed, Jamil Jalbi and many other literary figures warmly welcomed and supported Askari's theory of "Pakistani Adab". The reflection of these discussions can be seen in the literary journals like "Saqi", "Naqoosh", "Mah e Nau", Humayon", "Adab e Latif", "Fanoon", "Nizam", "Urdu Adab" and "Naya Doar" of 50's, 60's and 70's.

Keywords:

پاکستانی ادب، محمد حسن عسکری، مباحث، موافق نظریات، مخالف نظریات

پاکستانی ادب کے مباحث جو ۱۹۵۰ء کی دہائی میں شروع ہوئے، اس قدر شدید اور جذباتی نوعیت کے تھے کہ انھوں نے اس وقت کی ادبی فضا کو گرما کر رکھ دیا، اور ان ادبی مباحث کی حمایت یا مخالفت میں اس دور کے تقریباً ہر نامور ادیب نے تحریری حصہ لیا۔ ان ادبی مباحث کے سر خیل محمد حسن عسکری (۱۹۷۸۔۱۹۲۲) تھے جن کے ادبی معتقدین میں ممتاز شیریں، صمد شاہین، سلیم احمد، سجاد باقر رضوی اور مظفر علی سید کے نام نمایاں ہیں۔ پاکستانی ادب کے مباحث کا ایک ادبی، اور اس سے بھی زیادہ ایک قومی پس منظر ہے۔ ایسا پس منظر جو تحریکات اور رجحانات کی تعمیر کرتا ہے۔ جب تک قوموں کی زندگی میں کوئی اعلیٰ وارفع جذبہ یا بلند خیال کارفرما نہ ہو تب تک قوموں کی تاریخ و تہذیب نہ ترتیب پاتی ہے اور نہ ہی پنپ پاتی ہے۔ "پاکستانی ادب کے مباحث" کے پس منظر میں بھی اسلامی تہذیب اور قومی تشخص کے اجزا اور عناصر ترکیبی موجود دکھائی دیتے ہیں۔

محمد حسن عسکری نے جو ان ادبی مباحث کا آغاز کرنے والوں میں پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں، ادبی حلقوں میں ہمیشہ اپنے متنوع نظریات اور فکری مباحث سے بہت اہمیت حاصل کی۔ حسن عسکری کی ذہنی اور ادبی نشو و نما ادب کے اس دور میں ہوئی تھی جب جمال پرستی کا اختتام اور حقیقت پسندی کی ابتدا ہو رہی تھی۔ عسکری کے ادبی اور تنقیدی ذوق نے اسی ماحول میں پرورش پائی تھی۔ عمومی طور پر ان کا نام "نئے ادب" کے حامیوں میں لیا جاتا تھا۔ وہ نئے ادب کی حقیقت پسندی کو اس لیے پسند کرتے تھے کہ اس نے ادب کو تخیلات اور جذباتی صورت حال سے نکال کر حقیقی دنیا کے عام سماجی مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ لیکن وہ ادب میں جدت کے نام پر نت نئے تخلیقی تجربوں یا انتہا پسندی کو ناپسند کرتے تھے۔ غالباً یہی حقیقی اور تخلیقی انداز فکر تھا جس کی وجہ سے قیام پاکستان اور ہجرت کے بعد حسن عسکری نے افسانہ نگاری کو ہمیشہ کے لیے ترک کر کے تنقید نگاری کے باقاعدہ سفر کا آغاز کیا۔ حسن عسکری کی تنقید نگاری کی ابتدا کے بارے میں شہزاد منظر لکھتے ہیں:

> "حسن عسکری بنیادی طور پر تنقید نگار تھے۔ لہٰذا قیام پاکستان کے بعد افسانہ نگاری ترک کر دی اور صرف ادبی اور فکری موضوعات پر مضامین لکھنے پر اکتفا کیا۔"(۱)

"جھلکیاں" حسن عسکری کے تنقیدی سفر کا باقاعدہ آغاز تھا۔ یہ مستقل کالم وہ شاہد احمد دہلوی کے ماہ نامہ "ساقی"، دہلی میں لکھا کرتے تھے۔ یہ ۱۹۴۲ء کا ذکر ہے جب شاہد احمد دہلوی (۱۹۶۷۔۱۹۰۶) نے انھیں فراق گورکھ پوری کے کالم "باتیں" کے منقطع ہونے پر ایک مستقل کالم بہ عنوان "جھلکیاں"

سے جوڑ دیا۔(۲) تاہم عسکری ابھی مکمل طور پر تنقید نگاری کی طرف نہیں آئے تھے۔اس تنقیدی سفر کی راہیں متعین کرنے کا اشارہ وہ اپنے افسانوی مجموعے ''جزیرے'' (۱۹۴۳ء) کے اختتامیے پر دیتے نظر آتے ہیں۔اس اختتامیے میں وہ ادب کی ناخالص اور غیر حقیقی صورت حال سے مایوس دکھائی دیتے ہیں اور روحانی اور اعلیٰ اقدار کے حامل ادب کی تخلیق کی آرزو کرتے نظر آتے ہیں۔وہ کہتے ہیں:

> ''ادب اپنے فیض کے لحاظ سے تو ضرور بین الاقوامی ہے مگر اس کی اصل قومی اور نسلی ہوتی ہے...... کسی قوم کا ادب ان عناصر...... اس مخصوص مزاج اور فضا...... کو پیش کرنے کی وجہ سے قابل قدر ہوتا ہے جو دنیا کی کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی اور یہ مخصوص مزاج اپنی روح کو عوام کی زندگی میں رسا بسا لینے سے حاصل ہوتا ہے۔'' (۳)

یہ گویا پاکستانی یا قومی ادب کی تخلیقی جہات متعین کرنے کے اولین اشارے تھے اور ادب کا یہ وہ تخلیقی مرحلہ تھا جہاں حسن عسکری جیسے ادیب کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اردو ادب کو نئے شعور اور آگاہی کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے اور اپنی روایتی کم زوریوں کو دور کرتے ہوئے ادب کے لیے زندگی کی نئی جہات سے آگاہ ہونا لازم ہے۔ پاکستان آنے کے بعد محمد حسن عسکری کا نظریاتی ٹکراؤ سب سے پہلے ترقی پسند ادیبوں سے ہوا۔اس نظریاتی ٹکراؤ کی پہلی وجہ ۲۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو لاہور میں منعقد ہونے والی ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس میں شرکت تھی۔اس کانفرنس میں جدید ادب کے حامی ادیبوں میں سے مولانا صلاح الدین احمد، حسن عسکری، محمد دین تاثیر، پطرس بخاری، میاں بشیر احمد، قیوم نظر، یوسف ظفر، شورش کاشمیری اور صمد شاہین جیسے ادیبوں نے حصہ لیا۔ حسن عسکری کی اس کانفرنس میں شرکت کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ کل پاکستان ادبا کی وساطت سے دو تجاویز پیش کرنا چاہتے تھے۔ایک کشمیری مسلمانوں کی حمایت میں حکومت کا ساتھ اور دوسری تجویز تقسیم فلسطین کی مخالفت میں، مگر یہ دونوں تجاویز اجلاس کے سامنے رکھی ہی نہیں گئیں۔(۴)

حسن عسکری ادب کو قومی مسائل کے اظہار کا ایک لازمی مظہر بنانا چاہتے تھے جب کہ ترقی پسند ادب کو صرف نام نہاد ترقی پسندی کی ڈگر پر گام زن کرنا چاہتے تھے۔ یہی وہ بنیادی اختلافی مسائل تھے جو حسن عسکری اور ترقی پسندوں کے مابین نظریاتی اختلاف اور مباحث کا نقطۂ آغاز بنے۔ حسن عسکری نے ادیب کی ریاست سے وفاداری پر زور دیا اور ترقی پسند ادبا کے انتہاپسندانہ رویوں پر شدید تنقید کرتے ہوئے ان کے اجتماعات کو ان کے سیاسی اور کمیونسٹ مقاصد کے حربے قرار دیا۔

انھوں نے ماہ نامہ ''نظام'' کے لیے دو مضمون ''پاکستان اور سیاسی جماعتیں'' مئی ۱۹۴۸ء اور ''ادیب اور ریاست سے وفاداری کا مسئلہ'' جولائی ۱۹۴۸ء میں لکھے۔ ان مضامین پر ایک ادبی ہنگامہ برپا ہو گیا۔ پاکستان آنے کے بعد حسن عسکری کے یہ اولین مضامین تھے۔ سعادت حسن منٹو (۱۹۵۵۔ ۱۹۱۲) پاکستان آئے تو انھوں نے عسکری کے ساتھ مل کر ادب کے قومی تشخص کے مسئلے کو سنجیدگی سے دیکھا اور رسالہ ''اردو ادب'' کا اجرا کیا۔ منٹو اور عسکری کا ادبی اتحاد ہی ترقی پسندوں کے لیے کچھ کم نہ تھا اور پھر عسکری کے حلقۂ ارادت میں شامل معروف ادیب جیسے ممتاز شیریں، ناصر کاظمی، انتظار حسین اور سلیم احمد بھی ان کے ہم نوا بنتے چلے گئے۔

حسن عسکری پاکستانی کلچر کی بحثیں چھیڑتے چھیڑتے ''پاکستانی ادب'' کے خدوخال متعین کرنے لگے۔ وہ سمجھتے تھے کہ پاکستان کے قیام سے ہمارے اندر جو منفرد تخلیقی صلاحیتیں بیدار ہو گئی ہیں، انھی سے کام لیتے ہوئے ہمیں اپنی تاریخی روایتوں اور تہذیبی تجربوں کی آمیزش سے ایک نیا ادب تخلیق کرنا چاہیے۔ یہ ایک طرح سے ''پاکستانی ادب'' کے ابتدائی اشارے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ پاکستان میں ایسا ادب پیدا ہو جو قوم کے سیاسی اور معاشی مطالبات کی ہی نہیں بل کہ روحانی مطالبات کی بھی وضاحت اور تشکیل کرے اور بڑا ادب بھی بننے کی کوشش کرے۔ گویا حسن عسکری کے ذہن میں جس ''پاکستانی ادب'' کا تصور تھا وہ محض قومیت کے راگ الاپنے والا ادب نہیں تھا اور نہ ہی وہ اس قسم کے ''اسلامی ادب'' کی بات کرتے ہیں جو ۱۹۴۸ء میں اسلامی جماعت نے متعارف کروانے کی کوشش کی تھی۔ ان کے ذہن میں ''پاکستانی ادب'' کے حوالے سے جو نظریہ تھا وہ بڑا واضح تھا کہ ایسا ادب بالکل جداگانہ تشخص کا حامل ادب ہو گا جو اپنی قومی، اسلامی اور تہذیبی و ثقافتی روایات کا علم بردار ہو گا۔ ایسا ہی ادب درحقیقت اسلام کی سنہری تاریخی ثقافت اور ورثے کا امانت دار اور حقیقی وارث ہو گا۔

''پاکستانی ادب'' کی اصطلاح سب سے پہلے ہمیں بالترتیب حسن عسکری کے دو کالموں بہ عنوان ''پاکستانی ادب'' اور ''پاکستانی قوم، ادب اور ادیب'' جون، جولائی ۱۹۴۹ء میں نظر آتی ہے جن میں وہ پاکستانی ادب کے متعلق اپنے ذہنی و فکری نظریات کی کھل کر وضاحت کرتے ہیں۔ اپنے کالم ''پاکستانی ادب'' میں تحریر کرتے ہیں:

''ممکن ہے کہ بعض لوگ تجارتی مقاصد کے پیشِ نظر پاکستانی ادب کا مطالعہ کرتے ہوں مگر پاکستانی ادب محض ایک تجارتی تصور نہیں ہے، یہ ایک زندہ قوم کی زندہ شخصیت کا بنیادی مطالبہ ہے''(۵)

اپنے جولائی کے کالم میں ''پاکستانی ادب'' کے تخلیقی زاویوں اور عناصر ترکیبی کے حوالے سے اپنا زاویہ نظر مزید واضح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''میرے ذہن میں جس پاکستانی یا اسلامی ادب کا تصور ہے وہ ڈرا سہما یا گھٹل یا کٹ حجت نہیں ہو گا۔ بل کہ دلیر، بے باک، حساس، نئے تجربوں کا شوقین، ہر قسم کی ذہنی اور اخلاقی ذمہ داریاں قبول کرنے کو تیار کیوں کہ اسلامی کردار یا اسلامی سماج کی تخلیق، فنکار کے شعور کی خوف ناک روشنی کے بغیر ممکن نہیں۔'' (۶)

حسن عسکری کے پاکستانی اور اسلامی ادب کے نظریات نے پاکستان کے ادبا میں نظریاتی طور پر ایک اضطراری کیفیت پیدا کر دی تھی۔ ہر ادیب ادب کے حوالے سے اپنا ایک الگ زاویہ نظر رکھتا تھا جب کہ ادب کے حوالے سے حسن عسکری کے خیالات نہ صرف ترقی پسند ادبا بل کہ حلقۂ ارباب ذوق اور جدید ادب کے حامیوں سے بھی قدرے مختلف تھے۔ ان کے مطابق ''پاکستانی ادب'' محض قصیدہ گوئی کا کام نہ کرے بل کہ وہ اپنے اسلامی مشاہیر جیسے رومی، حافظ اور اقبال کے کلام کا پر تو بنے۔

حسن عسکری ''پاکستانی ادب'' کے اس وقت کے نمائندہ اور قابلِ تعریف نمونوں میں سعادت حسن منٹو کے افسانے ''کھول دو'' اور قدرت اللہ شہاب کے 'یا خدا'' کا ذکر کرتے ہیں۔ شاعری میں حفیظ ہوشیار پوری اور ناصر کاظمی جیسے شعرا کی شاعری کو بھی انھی معنوں میں تعریف کے قابل قرار دیتے ہیں۔ حسن عسکری، منٹو کی ادبی اور تخلیقی صلاحیتوں کے اس حوالے سے بھی معترف ہیں کہ وہ ''اسلامی طرز معاشرت'' کے پر جوش حامی ہیں بل کہ اس کے نفاذ پر بھی زور دیتے ہیں۔(۷)

''پاکستانی ادب کے مباحث'' قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۰ء کی دہائی میں، اسی قومی، نظریاتی اور ادبی تناظر میں تشکیل پاتے نظر آتے ہیں۔ یہاں اب ہم ''پاکستانی ادب کے مباحث'' کے تحت ہونے والے کچھ مثبت اور کچھ منفی مباحث پیش کرتے ہیں جن میں اس وقت کے معروف ادیبوں اور تنقید نگاروں نے ادب کی قومی حیثیت کے تعین کے حوالے سے اپنی مختلف آرا کا اظہار کیا تھا۔

۱۹۵۰ء میں بہت سے ادیبوں نے ''پاکستانی ادب'' کے موضوع کو قومی اور ملی حوالوں سے موضوعِ بحث بنایا اور اپنے اپنے زاویۂ نگاہ سے ''پاکستانی ادب'' کے موضوع پر اپنی گراں قدر آرا تحریر کیں۔ عزیز احمد ''ماہِ نو'' جون ۱۹۵۰ء کے شمارے میں ''پاکستانی ادب'' کو اقبال کے نظریات اور تصورات سے مربوط کرتے ہوئے مختلف نکات پیش کرتے ہیں اور اقبال کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> ''پاکستانی ادب کی تحریک اسی لیے اقبال سے وابستہ ہے۔ اس کا کام ایک ایسے تمدن کی قدروں کو زندہ رکھنا ہے جس نے ادب میں ابوالفضل اور خسرو اور غالب کو پیدا کیا جس نے مختلف بولیوں سے ایک نئی زبان بنائی، ایسی زبان جس کا سرمایہ دنیا کی کسی زبان کے آگے شرما کے سر نہیں جھکا سکتا...... ادب اور فنون لطیفہ کی یہ تحریک اقبالؒ کا سب سے بڑا اور زندہ تحفہ ہے...... اب یہ نئی پود کے شاعروں کا کام ہے کہ وہ اقبالؒ کی لفظی یا خیالی نقالی کے ذریعے نہیں بل کہ اس قوم کی روحِ حیات میں جذب ہو کر نئے ادب نئی فکر اور فنون لطیفہ کے نئے رجحانات کی تخلیق کریں۔'' (۸)

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد جہاں حسن عسکری نے ادب میں قومی اور اسلامی نظریات کو پیش کرنے کی بات کی اور ادب میں ملی جذبات کے بھرپور اظہار کی ادبی بحثیں چھیڑیں، وہیں کچھ عرصے بعد انھوں نے پاکستانی اردو ادب میں جمود اور ٹھہراؤ کا خیال بھی شروع کر دیا۔ حسن عسکری کے خیال میں اردو ادب میں پاکستان بننے کے بعد تخلیقی انحطاط روز بہ روز بڑھ رہا تھا اور ادبا ادب کی کوئی بھی قابلِ ذکر تخلیق پیش نہیں کر پا رہے تھے۔ تقسیم کے بعد کا ادب ''ہنگامی موضوعات'' سے جڑا رہنے کے باعث جمود کا شکار ہو چکا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بہت سے ادیب بنی بنائی ڈگر پر چلنے کے عادی ہیں اور خاص طور پر ترقی پسندوں نے تقسیم پاکستان کے کشت و خون کے واقعات کو ہی اپنے افسانوں اور شاعری میں اس لیے بیان کیا کہ وہ تقسیم کے واقعے کو بہت بڑی تاریخی غلطی ثابت کرنا چاہتے تھے۔

قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان میں جو منتشر اور غیر مستحکم، معاشرتی اور سماجی صورت حال تھی اس میں حسن عسکری سمجھتے تھے کہ ادیبوں کی قومی ذمہ داری زیادہ کڑی ہو جاتی ہے کہ وہ معاشرے میں ایسی شعوری فکر اور ایسے نئے رجحانات کو رواج دیں کہ ملک کا پڑھا لکھا طبقہ ان مثبت رجحانات کو پہلے اپنی عائلی زندگی میں اور پھر اسی طرح مرحلہ وار اپنی سماجی زندگی میں پھیلائے تا کہ پاکستان ایک مثالی اسلامی

ریاست کے طور پر تشکیل پا سکے۔ لیکن وہ اس ادبی جمود کی صورتِ حال سے بڑے مایوس نظر آتے تھے جو پاکستان کے ابتدائی برسوں میں اُردو ادب پر طاری رہی۔

حسن عسکری کے اس ''ادبی جمود'' کے موضوع کے حق میں بھی بہت سے ادیبوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اعجاز باغ پتی بھی ان ادیبوں میں سے ایک ہیں۔ اعجاز باغ پتی کا پر مغز مضمون ''بہار سے خزاں تک'' حسن عسکری کے نظریے پاکستانی ادب میں جمود کا اعتراف تو کرتا ہے مگر اس کا مدلل حل بھی پیش کرتا ہے اور اس ادبی جمود کی وجوہات بھی بیان کرتا ہے۔ وہ ادبی جمود کے حوالے سے سیر حاصل بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''ادب زندگی کا آئنہ ہے۔ لیکن صرف آئنہ ہی تو نہیں اسے بہتر بنانے کا ایک ذریعہ اور ایک طریقہ بھی تو ہے۔ ادب کا مقصد زندگی کی طرف عکاسی ہی تو نہیں وہ زندگی کو آگے بڑھانے کا آلہ بھی تو ہے...... ادیب کو معاشرے کی حالت بہتر بنانے کے لیے ادبی اور عملی طور پر زبردست حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ اس طرح ادب زندگی کے آئنہ کا کام بھی سرانجام دے گا اور اسے بہتر بنانے کے لیے آلہ کار کا بھی اور ہمارے عہد کا ادب ادبی تخلیقات سے مالامال ہو جائے گا۔''(۹)

یہ ۱۹۶۰ء کی دہائی کے ابتدائی سال تھے اور اُردو ادب کے منظر نامے پر ''پاکستانی ادب''، ''ادب میں جمود'' اور تعطل کے تمام تر مباحث زور و شور سے جاری تھے۔ کہیں پاکستانی ادب میں انحطاط پر افسوس کا اظہار کیا جا رہا تھا اور کہیں ادب کو قومی/اسلامی پیمانوں سے جانچنے اور پرکھنے کی بحثیں جاری تھیں۔ ادب کے خالص نظریات کو بغیر کسی جبر یا ریاستی سرپرستی کے پیش کرنے کے حوالے سے بھی بہت سے ادیبوں نے اظہار خیال کیا۔ اسی حوالے سے الطاف گوہر کا ایک مضمون ''قومی ادب، سرکاری ادب'' کے عنوان سے ''ساقی'' کے جولائی ۱۹۵۳ء کے شمارے میں چھپا، جس میں انھوں نے ادب کی تخلیقی آزادی اور ادیب کے سماجی فرائض کے حوالے سے بڑی وضاحت سے اپنا نقطۂ نظر پیش کیا۔ ان کے مطابق ادبی اظہار کی آزادی ہی سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ ہے۔ اس مسئلے کو حل کیے بغیر ایک جان دار اور قومی ادب کی تخلیق اور ترویج کی خواہش یا امید بے کار ہے۔ الطاف گوہر 'سرکاری ادب'' اور ''قومی ادب'' میں فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''قومی ادب سے مراد وہ ادب ہے جو قوم کے سچے اور گہرے تجربات، جذبات اور احساسات کی آزادانہ ترجمانی کرتا ہے اور سرکاری ادب سے مراد وہ ادب ہے

جو مخصوص سیاسی یا اخلاقی مصلحتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے پیدا کیا جائے۔"(۱۰)

اسی حوالے سے ڈاکٹر احسن فاروقی (۱۹۷۸۔۱۹۱۳) کا مضمون، "اسلامی ادب! کیوں نہیں" مئی، جون ۱۹۵۳ء نقوش میں شائع ہوا۔ احسن فاروقی کے مطابق اردو ادب کی جدید تحریک جو سرسید اور ان کے پر خلوص رفقا نے شروع کی تھی اس کا اصل جزو اور بنیادی محرک مذہب اسلام ہی تھا اور اقبال بھی اگر شاعر اسلام نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتے۔ احسن فاروقی اسلامی ادب کی اصل روح کے حوالے سے اپنا زاویۂ فکر بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

> "ان سب باتوں کا خیال رکھتے ہوئے حسن عسکری کی تحریکِ اسلامی ادب نہایت موزوں ہی نہیں بل کہ ضروری بھی معلوم ہوتی ہے۔ ادیب قوم کی روح کا معمار ہوتا ہے اور اس روح کا تعلق مذہب سے ہے۔ جو لوگ روح سے انکار کر کے محض صحافت کو ادب گنوانا چاہتے تھے وہ اپنی دکان بڑھا گئے اور ہندوستان میں جو ایک آدھ باقی ہیں ان کی اہمیت فراق صاحب ہی کے سے عالموں کی نظر میں ہے۔"(۱۱)

ان ادبی مباحث کی درمیانی مدت میں جب ادب پر قومی اور اسلامی حوالوں سے بحث جاری تھی اور ساتھ ہی ادب میں جمود اور انحطاط کے مباحث بھی چھیڑے جا رہے تھے، اسی دوران میں حسن عسکری نے اُردو ادب کی "موت" کا اعلان بھی کر ڈالا اور اس طرح ایک نئے موضوع کو ادبی حلقوں میں موضوعِ بحث بنا دیا۔ درحقیقت حسن عسکری قومی ادب میں قومی تشخص کا عکس بھی دیکھنا چاہتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ ادب کو خالص فن کی کسوٹی پر پرکھنا بھی چاہتے تھے اور جب انھیں ایسا ہوتا نظر نہیں آیا تو انھوں نے پہلے ادب میں جمود کا اور پھر ادب کی موت کا اعلان کر ڈالا۔ اس حوالے سے وہ اپنے کالم جھلکیاں میں تحریر کرتے ہیں:

> "سرمایہ داری کی موت کا اعلان ہو چکا، خدا کی موت کا اعلان ہو چکا، پتا نہیں اردو ادب کی موت کے اعلان سے لوگ کیوں ہچکچا رہے ہیں، کیوں کہ اب تو معاملہ جمود اور انحطاط سے بھی آگے پہنچ چکا۔ اگر صاف اردو ادب کی موت کا اقرار کر لیا جائے تو کم سے کم اتنا فائدہ ہو سکتا ہے کہ سال دو سال چپ رہنے کے بعد ہمارے ادیبوں میں دوبارہ جان آ جائے یا اس دوران میں کچھ نئے ادیب پیدا ہو جائیں۔۔۔ آج کل تو لوگ لکھ نہیں رہے وضع داری برت رہے ہیں۔" (۱۲)

''اردو ادب کی موت'' کا اعلان انھوں نے اپنے محض ایک کالم میں ہی نہیں کیا بل کہ اس اعلان کو بار بار دہراتے رہے۔ وہ بڑے کھرے اور صاف صاف الفاظ میں پاکستان کے ادیبوں کو ان کی تخلیقی حالت زار اور ادبی کس مپرسی پر تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ان کے اس نظریے کی تائید اور مخالفت میں بہت سے مزید ادبی مباحث شروع ہو گئے۔ یہ تدریج یہ ادبی مباحث ادب کے ملی اور قومی رجحانات کو واضح کرتے رہے یا یوں کہنا چاہیے کہ مختلف ادبی رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے ان مباحث نے کم از کم یہ واضح کر دیا کہ ایک نوزائیدہ اسلامی مملکت میں کس قسم کے ادبی نظریات کو فروغ دینا چاہیے جو قوم کی ذہنی تشکیل و تربیت میں معاون ثابت ہوں۔

ممتاز شیریں، حسن عسکری کے نظریاتی حامیوں میں سے تھیں اور اردو ادب کی ایک معروف ادیبہ و نقاد کی حیثیت بھی رکھتی تھیں۔ پاکستانی ادب میں قومیت کے تشکیلی عناصر کے حوالے سے اپنی کتاب ''معیار'' میں وہ ''پاکستانی ادب'' کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> ''پاکستان میں ترقی پسند ادب کے زوال سے...... یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس ادب کی جڑیں قوم کی زندگی میں پیوست نہیں ہوتیں وہ کھوکھلا اور کم زور ہوتا ہے۔ پاکستانی ادب میں قومی احساس اور ملی شعور کا مسئلہ ایسا ہے جس پر پاکستان کی ابتدا ہی سے سنجیدہ ادیب توجہ دلاتے آئے ہیں۔۔۔۔۔۔ پاکستان کے قیام سے کوئی نئی قوم تو نہیں بنی۔ قوم تو پہلے ہی موجود تھی اور پاکستان دراصل قوم کے تہذیبی وجود کے تحفظ کے لیے بنا تھا۔ ہندی مسلمانوں کی تہذیب تو آٹھ سو سال پرانی ہے اور اردو ادب ہند اسلامی کلچر کا سب سے وقیع مظہر ہے اس لیے اردو ادب کی روایت پاکستانی ادب کی روایت ہے۔''(۱۳)

''پاکستانی ادب'' سے متعلق مباحث میں ڈاکٹر سید عبداللہ کا ایک مضمون ''گذشتہ دس سال کا اردو ادب'' بھی اہمیت کا حامل ہے جو ''ہمایوں'' کے ۱۹۵۸ء کے سال نامہ میں شامل ہے۔اس مضمون میں وہ حسن عسکری کے قومی ادب کے نظریات کے حوالے سے کہتے ہیں:

> '' زمانہ زیر بحث میں ان کے چند اہم افکار پر خاصی بحثیں ہوتی رہیں۔ مثلاً ادب برائے ادب کا جواز، پاکستانی اور اسلامی ادب کی ضرورت۔۔۔ عسکری نے اپنے نئے مضامین میں یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ اردو ادب کی موجودہ حالت سے مایوس ہیں۔اس اعلان پر بھی بہت لے دے ہوئی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس طریقے سے عسکری نے اردو ادب میں عظیم تر ادب کی ضرورت کا احساس دلایا ہے۔ وہ نہ تو اردو ادب کو موت کے گھاٹ

> اتار دینا چاہتے ہیں نہ ان کی تحریروں کا یہ اثر ہوا ہے کہ ان کے اس قسم کے مضامین سے اُردو کے ادیبوں کو اپنی کوتاہیوں کا احساس ہوا ہے۔ البتہ عسکری کا یہ نقص ضرور کھٹکتا ہے کہ ان کے نظریے مستقل نہیں ہوتے۔'' (۱۴)

پاکستانی ادب کے مباحث ہر ذی شعور اور محب الوطن ادیب کے لیے ایک ایسا پلیٹ فارم ثابت ہوئے جہاں وہ اپنے نقطۂ نظر اور تنقیدی فکر کو کھل کر بیان کر سکتا تھا۔ قومی ادب کے تشخیصی عناصر اور تہذیبی اقدار کے حوالے سے ہمارے ادیب ایک جذباتی وابستگی رکھتے تھے۔ یہ جذباتی وابستگی پاکستان اور اسلام سے تھی اس لیے پاکستان کے قومی ادب میں بھی پاکستانی ادیب وہ تمام خصائص دیکھنا چاہتے تھے جو عین اسلامی اور قومی فکر کے مطابق ہوں۔ پاکستانی ادب کے حوالے سے اس دور میں جو مباحث ہوئے وہ بہت زیادہ تعداد میں مختلف ادبی رسائل میں موجود ہیں۔

''پاکستانی ادب'' کے مثبت مباحث کی بحث کو سمیٹتے ہوئے آخر میں مولانا ماہر القادری (۱۹۷۸۔۱۹۰۶) کے ایک مضمون ''پاکستانی ادب کیا ہے'' کا حوالہ پیش خدمت ہے۔ مولانا بڑی وضاحت و فصاحت کے ساتھ ''پاکستانی ادب'' (جو ان کے نزدیک دراصل اسلامی ادب ہے) کے عناصر ترکیبی کی بات کرتے ہیں اور پاکستانی ادب کا نتیجہ خیز مفہوم واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''اس مضمون کی تمہید میں بیان کیا جا چکا ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر اور اسلام کے لیے بنا ہے اس لیے پاکستانی ادب وہی ادب ہو سکتا ہے جو اسلامی اخلاق، اسلامی اقدار، اور اسلامی نظریوں کا ترجمان ہو۔۔۔ پس ''اسلامی ادب'' ہی دراصل پاکستانی ادب ہے۔''(۱۵)

اگلی سطروں میں اب ہم پاکستانی/اسلامی ادب کی مخالفت میں کیے گئے اہم اور مخصوص ''مباحث'' کو احاطہ تحریر میں لائیں گے اور پھر ان تمام مثبت اور منفی مباحث کی روشنی میں ''پاکستانی ادب'' کا مقام اور شناخت واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ پاکستانی ادب کے مباحث میں زیادہ شدت اس لیے بھی آئی تھی کہ پاکستان کے تمام ادیبوں کا ادب کے حوالے سے نقطۂ نظر یکساں نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب حسن عسکری نے پاکستانی ادب /اسلامی ادب کا نعرہ بلند کیا تو ادبی منظر نامے پر اس موضوع کے حوالے سے بہت سی مخلوط آوازیں بلند ہوئیں۔ ادب میں قومی تشخص اجاگر کرنے کے حوالے سے جہاں حسن عسکری کے بعض نظریاتی مخالفین نے ان کا ساتھ دیا اور اس موضوع کی

حمایت میں گراں قدر مضامین تحریر کیے، وہاں حسن عسکری کے بعض قریبی احباب نے ادب کی مخصوص درجہ بندیوں پر سخت تنقید کی اور ادب کی آفاقی اقدار پر زور دیا۔اسی حوالے سے انتظار حسین اپنی رائے تحریر کرتے ہیں:

''کل تک وہ ادب کو سب سے زیادہ قابل احترام چیز سمجھتے تھے لیکن پاکستان بن جانے کے بعد سے ادب ان کے ہاں دوسرے نمبر پر جاپڑا ہے یوں ادب کا وہ اب بھی احترام کرتے ہیں لیکن جب ان کا قومی جذبہ گرمی پکڑتا ہے تو وہ اس کا الاؤ لگانے پر بھی تیار ہو جاتے ہیں۔'' (۱۶)

حسن عسکری کے بعض انتہائی قریبی ساتھی بھی ''پاکستانی ادب'' کے عنوان سے بعض اوقات ذہنی الجھن کا شکار نظر آتے تھے۔ ''پاکستانی ادب'' کی نمایاں خصوصیات اور اس کے تشخص کے بارے میں کچھ کہنا بہت مشکل ہے اور ''پاکستانی ادب'' کی وضاحت ایک مشکل اور الجھا ہوا مسئلہ ہے۔ ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں سلیم احمد کہتے ہیں:

''پاکستانی ادب وہ ادب ہے جو پاکستان کے بارے میں ہو۔اس حساب سے بہترین ادب پاکستان گائیڈ ہے۔ایک دوسری بات اور کہی جاسکتی ہے کہ پاکستانی ادب وہ ادب ہے جو پاکستان میں لکھا جائے۔اس تعریف کی رو سے جو ادب لکھا جارہا ہے پاکستانی ہے اور اس بحث و مباحثہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ پاکستانی ادب وہ ہے جو ان زبانوں میں لکھا جارہا ہے جو پاکستان میں بولی جاتی ہیں تو یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ یہ زبانیں ہندوستان میں بھی بولی جاتی ہیں۔آخر میں ایک بات رہ جاتی ہے۔پاکستانی ادب وہ ہے جو مسلمانوں کی روایت کے مطابق ہو۔ لیکن اس میں دقت یہ ہے کہ مسلمان تو ہندوستان میں بھی رہتے ہیں۔ غرضے کہ کوئی ایسی کلید نہیں ملتی جس سے پاکستانی ادب کے مسئلے کو کھولا جاسکے اور ہندوستان میں پیدا ہونے والے ادب کے مقابلے میں اس کی انفرادیت کو ثابت کیا جاسکے۔'' (۱۷)

حسن عسکری کے پاکستانی / اسلامی ادب کی مخالفت میں جو ایک توانا آواز ابھری وہ فراق گورکھ پوری کی تھی۔ فراق گورکھ پوری نے اسلامی ادب کے نظریات اور ان نظریات کے حامی مصنفین کو اپنے مضمون میں کڑی تنقید کا نشانہ بنایا۔ان کے خیال کے مطابق ادب کے بارے میں ایسے نظریات رکھنا گم راہ کن خیالات یا گم راہی کے راستے پر چلنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ پھر وہ قومی اور اسلامی

ادب کے حامی مصنفین سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ اس ''اسلامی ادب'' سے اپنے ملک میں بہترین معاشی، تعلیمی اور صنعتی ترقی لا سکتے ہیں، یا ایسا کوئی جدید قانون یا انتظام بنالیں جو دوسرے غیر اسلامی ممالک نہیں بنا سکتے۔ پاکستانی ادیبوں کی اسلام پرستی پر طنز کرتے ہوئے فراق گورکھ پوری لکھتے ہیں:

> ''اگر اسلامی ادب کے علم بردار اس سلسلے میں ایک بات بھی نہیں بتا سکتے تو یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ پاکستان کی آبادی کی ترقی جس ادب کے ذریعے سے کرائی جاسکتی ہے، وہ ادب اسلامی نہیں ہو سکتا، دنیا کے کسی ملک کی ترقی یا اصلاح ہندو ادب، عیسائی ادب، یہودی ادب، بودھ ادب یا اسلامی ادب کی مدد سے نہ کہیں ہو رہی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ چناں چہ پاکستان کا صحت مند و صحت بخش ادب کسی لحاظ سے اسلامی ادب نہیں ہو سکتا۔ اسلامی نعروں کا یا کسی مذہب کے نعروں کا ان تعمیری کاموں سے کوئی تعلق نہیں جن کے ذریعے سے کروڑوں پاکستانیوں کی مالی، ذہنی اور اخلاقی ترقی میں مدد مل سکتی ہے۔''(۱۸)

ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر بھی ترقی پسندوں کے پہلے گروہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان لوگوں میں شامل تھے جن سے حسن عسکری کی نظریاتی مخالفت بڑی کھل کر سامنے آئی تھی۔ عسکری جیسے خاموش طبع ادیب نے بھی ایم ڈی تاثیر کو اپنی ادبی تحریروں میں بڑے واضح طور پر تنقید کا نشانہ بنایا۔ ''پاکستانی ادب اور ادیبوں کے فرائض'' کے موضوع پر ایم ڈی تاثیر نے بھی اپنے اکثر مضامین میں تنقیدی آرا تحریر کیں۔ وہ بھی حسن عسکری کے نظریاتی مخالفین میں بڑے پیش پیش تھے۔ ''ماہِ نو'' ۱۹۵۰ء کے ایک شمارے میں وہ اپنے ایک مضمون ''پاکستان کے ادیبوں کے فرائض'' میں ادب کی اس 'نظریاتی تخلیق' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''پاکستانی ادیب کا ایک ہی سیدھا سادہ فرض ہے اور وہ ہر ملک کے ادیب کا فرض ہے یہ کہ وہ ادب پیدا کرے۔ ادب پیدا کرنے کے نسخوں کے محتاج عموماً بانجھ قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ بحث ادبیت کی حد تک صالح ہے۔ مگر جہاں فارمولے تجویز ہوئے ادب کھیل بن گیا۔ نظمیں، مضامین، افسانے، ناول، ڈرامے لکھو اور اپنے من کے مطابق دل کھول کر لکھو۔ پاکستان کو ادب سے آباد کر دو۔ ادبی خلوص پر آنچ نہ آنے دو۔ اچھے برے کی ہفت معنی بحث ہوتی رہے۔ اس میں حصہ بھی لو، لیکن اپنی قوت تخلیق پر ظلم نہ کرو نہیں ہو سکتا، تو یہ بھی نہ سہی، لیکن اپنے آپ کو یہ دھوکا نہ دو کہ نسخوں سے جو

ازالۂ انقباض طبیعت ہوتا ہے وہ تخلیقی عمل ہے۔ ہر ''مفید'' تحریر ادب نہیں۔۔۔
ادیب کے اور بھی فرائض ہوں گے مگر لوگ ادیبوں کے فرائض پر ہر وقت زور دیتے
رہتے ہیں پاکستان کا ادیب یہ کرے یہ نہ کرے۔''(۱۹)

دراصل قیام پاکستان اور ہجرت کے عمل کے بعد جب بہت سے اُردو ادیبوں نے پاکستان میں مستقل سکونت اختیار کی تو وہ اپنی ادبی تربیت اور تخلیقی صلاحیتوں کے حوالے بہت فعال تھے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ بہت سے ادبی رسائل نے بیسویں صدی کے آغاز سے ہی اپنی اشاعت کا آغاز کیا اور معروف اُردو ادیب ان رسائل کی وساطت سے نمایاں شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اس حوالے سے یہ بات بہ خوبی عیاں ہو جاتی ہے کہ قیام پاکستان کے وقت ان تجربہ کار ادیبوں کا قلم بہت متحرک تھا اور جب پاکستان بننے کے فوراً بعد اس کی ادبی فضا میں ترقی پسندوں اور نئے ادب کے حامیوں کے نظریاتی ٹکراؤ کی وجہ سے ایک مخاصمے کی فضا پیدا ہو گئی تو ان کہنہ مشق ادیبوں نے بھی بھرپور طریقے سے ان مباحث میں حصہ لیا۔ چوں کہ پاکستان ایک اسلامی نظریاتی مملکت ہے، لہٰذا اس کے بیشتر ادباوطن کی محبت سے سرشار تھے اور اپنے وطن اور مذہبی اقدار کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہ ہوتے تھے۔

ناصر کاظمی گو حسن عسکری کے حلقۂ احباب میں شامل تھے مگر انھوں نے بھی ''ادب میں جمود'' کی فکری مخالفت کی۔ اپنے ایک مضمون میں جو ''ہمایوں'' جنوری ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا، ناصر کاظمی اپنا نقطۂ نظر واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہماری قوم جس تاریخی انقلاب سے گزری ہے اس سے ہمارے دل ودماغ شل ہو گئے
ہیں۔ ہم ذرا تھک سے گئے ہیں، ستا رہے ہیں لیکن یہ تھکن ابدی نہیں بل کہ جسم اور
روح کا فطری تقاضا ہے۔ صرف پانچ سال کے مختصر سے عرصے میں کسی مثالی کارنامے
کی توقع رکھنا محض بے صبری اور ناتجربہ کاری ہے۔''(۲۰)

ان ادبی مباحث میں ادبا نے اپنی اپنی فکری جہات کے حوالے سے اپنے مطمحِ نظر کو بھرپور طریقے سے واضح کیا اور خصوصی طور پر ان نکات کی نشان دہی کی کہ ادب کو کس کس طور پر قومی وملی مقاصد کے لیے مخصوص ہونا چاہیے اور کس طریقے سے ادب کو عالم گیر حوالے سے انسانیت کا علم بردار ہونا چاہیے نہ کہ کسی مخصوص قوم یا کسی ملک کے نظریاتی منشور پابندی اختیار کرنی چاہیے۔

ہر دو فکری مخالفین کے گروہ نے اپنے اپنے نظریات کے حق میں ٹھوس دلائل دینے کی کوشش کی جن سے ادب کی مختلف جہات نمایاں ہوئیں اور قومی ترقی میں ادب کا کردار بھی بڑے واضح طریقے سے سامنے آیا۔ ان ادبی مباحث کی رو سے، ہر قوم کے ادب میں ایک قدر مشترک، ادب کی نمایاں خصوصیت کے طور پر سامنے آتی ہے جس پر کم سے کم ہر ادیب متفق ہے کہ ''خالص ادب'' کی اہمیت اٹل اور مسلمہ ہے۔ ادب کبھی کسی دباؤ یا جبر کے تحت تخلیق نہیں ہو سکتا اور جو ادب کسی جبر، دباؤ یا خاص نظریے کے تحت تخلیق ہوتا ہے وہ خالص ادب کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔

سچا ادب ہمیشہ سے انسانیت اور امن کی عالم گیر صدا بن کر بلند ہوا اور ان تمام کاوشوں میں وہ ادیب تحسین کے لائق ہیں جو نامساعد حالات و واقعات میں بھی صدائے حق بلند کرتے رہے اور اپنی قوم اور انسانیت کی سربلندی کے لیے اپنے قلم سے جہاد کرتے رہے۔ اس حوالے سے ''کولونیل''، ''پوسٹ کولونیل'' ادب کی مثالیں دنیا کے ہر خطے میں موجود ہیں۔ یہ تمام ملے جلے رجحان اس زمانے کی فعال ادبی صورت حال کا پتا دیتے ہیں کہ مختلف طبقہ فکر کے مصنفین اور ادیبوں نے ان فکری، ادبی مباحث میں کس قدر تن دہی سے حصہ لیا اور اپنی تمام تر ذہنی اور علمی صلاحیتیں اپنے زور بیان میں صرف کر دیں۔ یہ تمام ادبی صورت حال اس حوالے سے بڑی مثبت محسوس ہوتی ہے کہ ایک نوزائیدہ ملک کا پڑھا لکھا طبقہ، ملک کے خوش آئند مستقبل اور ایک بہتر نظریاتی ادبی صورت حال کے لیے کس قدر فکر مند اور متحرک تھا۔ ''پاکستانی ادب'' کے سلسلہ مباحث میں منفی فکری رجحان کے مباحث کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک اور حوالہ دیکھتے ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ ''پاکستانی ادب'' کی شناخت کے موضوع کو زیر بحث لاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ۱۹۴۷ء کے بعد سے پاکستان میں ادب کی شناخت کے حوالے سے خاصے مباحث ہوئے ہیں جن میں ادب کو قومی، ملی اور پھر مذہبی حوالے سے منسوب کیا گیا مگر خود ادب کے لیے تشخص کا یہ عمل کس قدر مفید اور لازم ہے یہ طے ہونا ابھی باقی ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت میں کہتے ہیں:

> ''ادبی رجحان کی ایک بدلی ہوئی صورت ایک دوسرے تصور کی شکل میں ظاہر ہوئی ہے۔ وہ ہے اسلامی ادب اور پاکستانی ادب کی تحریک!...... کہ ان دونوں تصورات کے نقوش ابھی اچھی طرح واضح نہیں ہو سکے تاہم اس کے کچھ خدوخال محمد حسن عسکری نے اپنے

> مضامین میں نمایاں کیے۔۔۔اسی ضمن میں انھوں نے پاکستانی ادب کا بھی ذکر کیا ہے مگر عسکری نے جو کچھ لکھا ہے اس سے کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ پاکستانی ادب سے کیا مراد لیتے ہیں۔ پاکستانی ادب کے جواز سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا مگر اس کی عملی مشکلات اور واضح نقصانات کا شاید صحیح جائزہ نہیں لیا گیا...... یہ تو تسلیم ہے کہ پاکستان کے اردو ادیب...... وہ پاکستان کی سالمیت اور اس کے مخصوص تقاضوں کی محافظت کریں گے مگر کیا کوئی مخصوص پاکستانی ادب وجود میں آیا ہے یا آسکتا ہے یہ چیز بھی قابلِ غور ہے۔"(۲۱)

"پاکستانی ادب کی تشکیل" کے موضوع پر "ماہِ نو" میں ستمبر ۱۹۶۰ء سے دسمبر ۱۹۶۰ء تک ایک سلسلہ وار مباحثہ شروع کیا گیا جو تین ماہ تک جاری رہا اور اس موضوع پر مختلف معتبر ادبا نے پر مغز مضامین تحریر کیے۔ یہ تنقیدی مضامین دراصل "پاکستانی ادب" مقصدی ادب اور "افادی ادب" کے نظریات کے ردِ عمل میں لکھے گئے جو حسن عسکری کے نظریاتی حامیوں ممتاز شیریں، جمیل الدین عالی وغیرہ اس وقت اپنی تحریر و تقریر میں واضح کر رہے تھے۔

"پاکستانی ادب کی تشکیل" کا تیسرا سلسلہ وار مضمون اختر ضیائی کا تھا جنھوں نے اپنے منطقی دلائل سے "پاکستانی ادب" کے نظریے کو بھرپور طریقے سے مسترد کیا۔ انھوں نے اس نظریے کا پرچار کرنے والے ادیبوں پر تنقید بھی کی کہ پاکستانی ادب کا نعرہ لگانے والے محض چند ادبا اور ان کی تخلیقات کا نام گنوا کر اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ انھیں "پاکستانی ادب" کے حوالے سے ایک منظم ادبی سلسلے کا حوالہ دینا چاہیے و گرنہ پاکستان میں تخلیق ہونے والے تمام صوبائی اور علاقائی ادب کو بلکہ تمام عالم گیر ادب کو بھی ایک آفاقی ادب کے طور پر تسلیم کر لینا چاہیے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم ادب کو اپنی انفرادی خواہشوں کے حوالے سے کسی بھی قومی یا تہذیبی عنوان کے تحت مقید نہیں کر سکتے۔ اس حوالے سے اختر ضیائی اپنا زاویہ فکر واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "بات دراصل یہ ہے پاکستانیت کے مکمل طور پر وجود میں آنے کے لیے برسوں کی تدریجی ارتقا و تعمیر کی ضرورت ہے اس لیے اگر ہم ابھی سے پاکستانی ادب کی کھوج لگانے لگیں تو بات مقصدی ادب سے چل کر مقصدی ادب پر ہی جا کر رکے گی...... ادب اور پھر عظیم ادب آفاق پر محیط ہے۔ وہ کائنات کی روح اور انسانی محسوسات کا نمائندہ ہے۔ اُسے ملکوں اور قوموں کے دائروں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اور ادب اگر ادب ہے تو

جہاں کہیں بھی ہے اپنے گردو پیش کا آئینہ دار ہے۔ شیکسپیئر کا ادب پہلے انسانی ہے پھر انگریزی اور اس کی عظمت اس کی فنی ہمہ گیری اور تاثر کی گہرائی دونوں میں مضمر ہے۔اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مستقبل میں اگر پاکستان نے کسی شیکسپیئر، کسی گورکی، کسی برنارڈ شاہ کو جنم دیا تو اس کا ادب پہلے انسانی ہو گا پھر اسے کوئی دوسرا نام دیا جا سکے گا۔''(۲۲)

''پاکستانی ادب'' کی نظریاتی مخالفت کرنے والے ان ادیبوں کا یہ بھی کہنا تھا کہ ،ادب ادب ہوتا ہے اور مقصدی یا افادی ادب کی باتیں کرنے والے دراصل ادب کی حد بندیاں کرنا چاہتے ہیں جب کہ ادب کو کسی بھی زبان یا قومی بنا پر تقسیم نہیں کیا جا سکتا اور جہاں تک ''پاکستانی ادب'' کا سوال ہے تو پھر اس کی قومی حیثیت متعین کرنے کے ضابطے اور نظریات کی اجارہ داری کسی فرد واحد یا گروہ کو نہیں دی جاسکتی۔ادب کے بعض ناقدین ادب کو کسی خاص ملک و قوم کے حوالے سے مخصوص کرنا پسند نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ادب ایک عالم گیر آئینہ ہے جس میں برسوں کا تسلسل اور تاریخی واقعات کا عکس ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ادب ایک آفاقی سچائی ہے جو جغرافیائی حدود و قیود سے بالاتر ہے اور تمام انسانیت کے لیے فلاح کا پیغام ہے۔لٰہذا ادب کو کسی ملک اور قوم کے ساتھ جوڑ دینا کسی طور پر مناسب نہیں۔اپنے ان نظریات کو یہ نقاد مختلف مثالوں سے واضح کرتے ہیں۔مثلاً، وہ کہتے ہیں کہ ادب کو اگر ہم قومی حوالے سے مخصوص کر دیں تو پھر دنیا بھر کے ادب کو کیا ہم 'برطانوی ادب'، 'امریکی ادب'، 'ایرانی ادب' اور 'فرانسیسی ادب' کے خانوں میں الگ الگ رکھیں گے ؟ادب کی آفاقی حیثیت تو مکمل طور پر ختم ہو کر رہ جائے گی۔اردو ادب کے یہ ناقدین ادب کو قومی حیثیت سے مخصوص کرنے کے حوالے سے مزید تنقید کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ پھر پاکستان کے مختلف علاقوں میں تخلیق کیے جانے والے 'بنگالی'، 'پشتو'، 'پنجابی'، 'سرائیکی' اور 'سندھی' ادب کو ادب کے کن عنوانات کے تحت شمار کیا جائے گا۔

''پاکستانی ادب'' کے موافق اور مخالف بحث بڑی طویل ہے اور اُس مخصوص دور میں اس موضوع پر لکھنے والے ادبا بھی کثیر تعداد میں ہیں مگر یہاں ان ادبی مباحث کا انتخاب کیا گیا جو جہاں تک ممکن ہو، معیاری تحقیقی و تنقیدی شرائط پر پورے اترتے ہوں۔ان ادبی مباحث کا از سر نو تذکرہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ موجودہ دور میں ادب کی صورت حال کا قومی، مذہبی اور تہذیبی حوالے سے جائزہ لیا جائے۔''پاکستانی ادب'' کے نظریات، عوامل اور رجحانات نے بھی قومی ادب کے ارتقا اور فروغ میں

حصہ لیا کیوں کہ یہ تمام رجحانات اور عوامل ملی جذبے سے سرشار تھے۔ یہ ادبی مباحث جو ''پاکستانی ادب'' کے حوالے سے مختلف ادبا کے فکری زاویوں کا نتیجہ تھے، اردو ادب پر مثبت طور پر اثر انداز ہوئے۔

''پاکستانی ادب'' کے یہ مباحث اگرچہ مختلف ادبا کے فکری زاویوں کو پیش کرتے رہے مگر کہا جاسکتا ہے کہ ان تمام دلائل اور مباحث کے نتیجے میں قیامِ پاکستان کے بعد اُردو ادب ایک جان دار حیثیت میں ادبی پس منظر پر ابھرا۔ اگرچہ اردو ادب اپنے تشکیلی اور ارتقائی دور سے گزر چکا تھا، مگر قیامِ پاکستان کے بعد اس میں ہیئتی، لسانی اور پھر موضوعاتی حوالوں سے متنوع اور گراں قدر تبدیلیاں واقع ہوئیں۔

یہ تمام ادبی مباحث جو ادب کے قومی ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے پورے شد و مد سے قیامِ پاکستان کے بعد جاری رہے، نہ صرف اُردو ادب کے استحکام کا باعث بنے بل کہ ادب کی وساطت سے اولاً مذہبی اقدار اور پھر معاشرتی اور تہذیبی اقدار کے فروغ میں معاون ثابت ہوئے۔ البتہ جہاں تک ادب کو قومی حوالوں سے محدود کرنے کی نفی کی گئی ہے تو اس حوالے سے عرض ہے کہ اگرچہ ''ادب'' عالم گیر اور آفاقی اقدار کا حامل ہے اور اس میں کوئی دوسری رائے نہیں ہے مگر جب یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ ادب کو قومیت کے خانوں میں بانٹا نہیں جاسکتا تو اس حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ ہر خطے کی کچھ مخصوص روایات، ثقافتی و تہذیبی اقدار اور خاص جغرافیائی حالات ہوتے ہیں۔ ہر خطے کا ادب ان روایات و اقدار کا پیش کار اور علم بردار ہوتا ہے۔ وہ اپنے تاریخی، تہذیبی اور سماجی تناظر میں رہتے ہوئے اپنے مقامی حالات و واقعات پیش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر یونانی ادب کی 'رزمیہ' داستانیں اپنی اساطیری روایات کی آئینہ دار ہیں، انگریزی ادب کے 'شیکسپیرئین' ڈرامے برطانیہ کے قدامت پرست لارڈز اور شاہی محلات کی کہانیاں دہراتے ہیں، روس کے بیشتر معروف مصنفین کے افسانے اپنے فرسودہ اشتراکی نظام میں جکڑے معاشرے کے قصے بیان کرتے ہیں، بیشتر فرانسیسی ناول اپنے تاریخی انقلاب کے آئینہ دار ہیں اور الف لیلیٰ کی ہوش رُبا کہانیاں عربی ثقافت کے رنگوں کی علامت ہیں۔ ہر خطہ اَرضی اپنا ایک الگ ثقافتی ورثہ اور اسی سے مربوط و منسوب ادب رکھتا ہے۔ دنیا کی ہر قوم اپنی کچھ مخصوص تہذیبی اقدار اور اساطیری روایات رکھتی ہے جن کی توضیحات صرف خطے کے مقامی ادبا ہی بہ خوبی کر سکتے ہیں۔ ادب صرف ایک پیش منظر ہی تو نہیں جسے کوئی بھی فن کار، ادیب اپنے ذاتی محسوسات میں بیان کر سکے، ہر علاقے کا ادب ایک منفرد، برسوں، صدیوں پر محیط تہذیبی اور منفرد پس منظر بھی تو رکھتا ہے جسے اس

مخصوص معاشرت میں پلا بڑھا ادیب ہی بہتر طور پر جان سکتا ہے اور ان رجحانات کی عکاسی بھی بہ خوبی کر سکتا ہے۔

البتہ ادب کی آفاقی حیثیت ضرور مسلمہ اور اٹل ہے اور یہ کہ اس کے نتائج اور اثرات تمام انسانیت کے لیے نمونہ کامل ضرور ہوتے ہیں۔ ادب کے بلند معیار اخلاقی اور اصلاحی پیغام دنیا کے ہر معاشرے کے لیے ہوتے ہیں۔ مگر ان عالم گیر پیغامات کی ترسیل کے لیے دنیا کے ہر ادب میں ''تراجم'' کی صنف بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اگر ادب صرف اپنی عالم گیر حیثیت میں دنیا کے ہر معاشرے کے لیے کافی ہوتا تو ادبی تراجم کی ضرورت نہ پڑتی۔ ان ادبی تراجم کی مدد سے ہم ''روسی ادب''، ''انگریزی ادب''، ''فرانسیسی ادب''، ''فارسی ادب'' کی عالم گیر خصوصیات کو اولاً جانتے ہیں اور ثانیاً ان کی آفاقی اقدار کو اپنے قومی ادب میں بھی رواج دیتے ہیں۔

''پاکستانی ادب'' کے مباحث نے جو ادبی اور تخلیقی صورت حال وضع کی، اس کے نتائج بہت حوصلہ افزا اور مثبت رہے۔ بیسویں صدی کے اختتام اور اکیسویں صدی کی دو دہائیوں تک پاکستان میں اردو ادب جو تخلیقی، تنقیدی اور تحقیقی کام ہوا وہ مقدار اور معیار کے لحاظ سے اردو ادب میں ایک بیش بہا اضافہ ہے اور کسی بھی قومی ادب کے لیے یہ ایک بیش قیمت تخلیقی ورثہ بننے کی اہلیت بھی رکھتا ہے۔ اس ''پاکستانی ادب'' کو کسی بھی عالمی ادب کے معیار اور ساکھ کے مطابق پرکھا جا سکتا ہے۔ اکیسویں صدی کے اس جدید دور تک پاکستان میں تخلیق ہونے والا اردو ادب اپنی مختلف اصناف میں باقاعدہ پاکستانی موضوعات اور عنوانات کے ساتھ تخلیق ہو رہا ہے۔

مجموعی طور پر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد یہ ادبی مباحث ہی تھے جنھوں نے اردو ادب میں قومی رجحانات پیدا کرنے کی ساز گار فضا تخلیق کی۔ یہ تمام مباحث اس دور میں شروع ہوئے جب پاکستان کو کسی بھی دوسری چیز سے زیادہ قومی یک جہتی اور قومی تشخص کی ضرورت تھی۔ محمد حسن عسکری نے ''پاکستانی ادب'' کے مباحث کی صورت، ادب میں قومی و ملی تشخیصی عناصر کو ابھارنے میں مدد دی جن سے مستقبل میں اردو ادب کے قومی و ملی عناصر نے بہ تدریج فروغ پایا۔ آج اکیسویں صدی میں پاکستان میں تخلیق ہونے والے اردو ادب میں پاکستانی رنگ، فکری اور موضوعی طور پر اور فنی اور ہیئتی حوالے سے بھی روز روشن کی طرح نمایاں اور شفاف ہے۔

آج پاکستان کی عصری صورت حال کو اگر ''نائن الیون ''اور'' اسلاموفوبیا'' کے تناظر میں دیکھا جائے تو پاکستانی اردو ادب کو ماضی سے کہیں زیادہ ادب میں ''قومی تشخص'' کو مثبت طور پر اجاگر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ پاکستانی قومی طرز فکر پوری شفافیت اور ادبی معیار کے ساتھ عالمی ادب کے منظر نامے پر منعکس ہو کر پاکستانی زاویہ نظر کی علامت بن سکے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) شہزاد منظر، پاکستان میں اردو تنقید کے پچاس سال۔ کراچی: منظر پبلی کیشنز،۱۹۹۶ء، ص،۱۱

(۲) سہیل عمر، نعمانہ عمر، مرتبین؛''پیش لفظ''، جھلکیاں۔(محمد حسن عسکری)،لاہور: مکتبہ الروایت، س۔ن

(۳) حسن عسکری، ''اختتامیہ''، جزیرے۔ دہلی: ساقی بک ڈپو، س ن، ص،۲۰۴

(۴) حسن عسکری، جھلکیاں۔ ص،۳۱۴،۳۱۵

(۵) حسن عسکری، ''پاکستانی ادب''، مشمولہ، تخلیقی عمل اور اسلوب۔ مرتب؛ محمد سہیل عمر، کراچی: نفیس اکیڈمی،۱۹۸۹ء ص،۵۲

(۶) حسن عسکری،''پاکستانی قوم،ادب اور ادیب''، مشمولہ،ایضاً، ص،۶۷

(۷) حسن عسکری، ''پاکستانی ادب''، مشمولہ،ایضاً، ص،۵۳

(۸) عزیز احمد، ''اقبال اور پاکستانی ادب'' مشمولہ،ماہنامہ ماہ نو۔ کراچی: ،جلد،۳، شمارہ،۱، ۱۹۵۰ء، ص،۳۷۹

(۹) اعجاز باغ پتی، ''بہار سے خزاں تک''، مشمولہ ،ماہنامہ ادب لطیف۔ لاہور: ، جلد ۳۳، شمارہ ۴، جنوری ۱۹۵۲ء، ص،۲۶

(۱۰) الطاف گوہر، ''قومی ادب، سرکاری ادب''، مشمولہ ،ماہنامہ ساقی ۔ کراچی: جلد ۴۸، شمارہ ۱ ،جولائی، ۱۹۵۳ء، ص،۱۷

(۱۱) محمد احسن فاروقی، ''اسلامی ادب! کیوں نہیں'' مشمولہ ، ماہنامہ نقوش۔لاہور: ، شمارہ نمبر ۳۱، ۳۲، مئی جون،۱۹۵۳ء، ۱۳

(۱۲) حسن عسکری، ''اُردو ادب کی موت'' مشمولہ، جھلکیاں۔ ص،۲۵۳۔۲۵۴

(۱۳) ممتاز شیریں، ''پاکستانی ادب کے چار سال'' مشمولہ،معیار۔ ص،۱۷۰۔۱۷۱

(۱۴) عبداللہ، ڈاکٹر، سید محمد۔ ''گذشتہ دس سال کا اردو ادب'' مشمولہ ،ماہنامہ ہمایوں۔ لاہور: جلد ۲۷، سالنامہ ۱۹۵۸ء، ص،۲۹۔۳۰

(۱۵) ماہر القادری،مولانا، ''پاکستانی ادب کیا ہے''،مشمولہ،خیابان۔خاص نمبراردوزبان وادب کاپاکستانی دور۱۹۴۷ءتا۱۹۶۴ء،پشاور: شمارہ،۵، ستمبر۱۹۶۴ء،ص،۱۷۷

(۱٦) انتظار حسین،''ادب اور مفید ادب''، مشمولہ،ماہنامہ نقوش۔ لاہور: مارچ،شمارہ۱۹۵۰،،۱۳ء،ص،۱٦

(۱۷) سلیم احمد، ''پاکستانی ادب کامسئلہ''، مشمولہ،روایت۔لاہور: مکتبہ روایت،۱۹۸۷،ص،۴۴۲

(۱۸) فراق گورکھ پوری،''اسلامی ادب''، مشمولہ،بیسویں صدی کاادبی طرزاحساس۔عارف ثاقب،لاہور: غالب نما،۱۹۹۹ء،ص،۱۲۹۔۱۳۰

(۱۹) ایم ڈی تاثیر،ڈاکٹر،''پاکستان کے ادیبوں کے فرائض''، مشمولہ،مقالات تاثیر۔لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۸،ص،۴۸

(۲۰) ناصر کاظمی، ''ادب میں جمود''، مشمولہ،ناصر کاظمی: شخصیت اور فن ۔حسن عباس رضوی،مقالہ برائے پی ایچ ڈی،لاہور: مملوکہ پنجاب یونیورسٹی،۱۹۹۴ء،ص،۸۱۹۔۸۲۰

(۲۱) عبداللہ،سید محمد ڈاکٹر،''گذشتہ دس کااردوادب''، مشمولہ،ماہنامہ ہمایوں۔سالنامہ،۱۹۵۸ء،ص،۳۳

(۲۲) اختر ضیائی، ''پاکستانی ادب کی تشکیل''، مشمولہ، ماہنامہ ماہ نو۔کراچی: جلد ۱۳، شمارہ ۱۲، دسمبر ۱۹٦۰ء، ص،۱٦،۵۳

❖❖❖